گھریلو تشدد (روک تھام اور تحفظ) کا بل

Domestic violence (prevention and protection) Bill,2021

(پہلی قسط)

مفتی شعیب عالم
استاذِ جامعہ و نائب مفتی دارالافتاء

گھریلو تشدد کا انسداد اور اس سے تحفظ کس قدر مسحور کن، خوشنما اور پرکشش عنوان ہے! اگر نگاہ صرف عنوان تک محدود رہے تو ذہن میں حکمرانوں کی ایسی تصویر اُبھرتی ہے جو اپنی عظمت میں اَفلاک کو چھوتی نظر آتی ہے۔ بھلا کون سنگدل ہوگا جو صنفِ نازک پر تشدد کو روا رکھتا ہوگا!؟ آبگینے توڑنے، پھول مسلنے اور کچلنے کے لیے تھوڑے ہوتے ہیں۔ بقول شخصے: اللہ تعالیٰ نے اتنی نفاست کے ساتھ یہ نازک مخلوق اس لیے نہیں پیدا کی ہے کہ انہیں ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا جائے۔

مگر یہ دنیا دھوکے کا گھر ہے، بنانے والے نے اُسے ''متاع الغرور'' کہا ہے، یہاں ضروری نہیں ہے کہ جو شے جیسی دِکھائی دے رہی ہے یا دِکھائی جارہی ہے، حقیقت میں بھی ویسی ہو۔ بسا اوقات حقیقت کہانیوں سے مختلف نکلتی ہے۔ خوبصورت چہرے کے پیچھے بھیانک باطن چھپا ہوا ہوتا ہے۔ نرم و نازک اور لطیف نظر آنے والا پھول بجائے خوشبو کے بدبو دیتا ہے۔ بقول مومن:

ظاہر بہت حسیں ہے باطن گھناؤنا
پچھتایئے گا آپ مجھے مت خریدیئے

اور بقول شوکت تھانوی:

دھوکا تھا نگاہوں کا مگر خوب تھا دھوکہ
مجھ کو تری نگاہوں میں محبت نظر آئی

اس بل کے نام میں شروع کا جو حصہ ہے، گھریلو تشدد (Domestic violence) وہ وہی

ہے جو مغرب میں اس مقصد کے لیے رائج ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ہمیں ہماری تہذیب وثقافت کا آئینہ دار کوئی نام بھی نہیں سوجھا۔ علامہ اقبالؒ کے شعر میں کسی قدر تغیر کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ:

ہوئے کس درجہ ارکانِ پارلیمنٹ بے توفیق

نام کے آخری حصے کے الفاظ ''روک تھام اور تحفظ'' (Prevention and protection) ایسے الفاظ ہیں جو عورتوں کے لیے باعثِ کشش ہیں۔ عورت کی طبیعت میں واقعیت کی جگہ جذباتیت اور گہرائی کی جگہ سطحیت ہوتی ہے، اس میں مردوں کے مقابلے میں اثر پذیری کی صفت زیادہ ہوتی ہے، اس وجہ سے وہ حسین لفظوں، خوشنما نعروں اور دلکش وعدوں سے بہت جلد متاثر ہوجاتی ہے۔ شاطروں نے ہمیشہ عورت کی اس انفعالی صفت سے فائدہ اُٹھایا ہے، یہ بل بھی اسی سلسلے کی ایک مذموم کوشش ہے۔

خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ ۔جن کے سامنے فصحاء کی فصاحت، بلغاء کی بلاغت اور حکماء کی حکمت مفلوج ہوکر رہ جاتی ہے۔انہوں نے ایک بلیغ جملے کے ذریعے اس جیسی مساعی کی خوب قلعی کھولی ہے: ''کلمة حق أريد بها الباطل'' یعنی بات تو سچی ہے، مگر اس سے مقصد برا لیا گیا ہے۔

آج کی دنیا الفاظ کے جادو سے کام لیتی ہے اور لوگوں کے ذہنوں کو مسحور کرکے سوچنے سمجھنے کی طاقت کو معطل کرنا چاہتی ہے۔ آزادی، مساوات، حقوقِ نسواں، آزادیِ نسواں اور عورتوں کے حقوق کے جیسی اصطلاحات کے پیچھے یہی فلسفہ کارفرما ہے۔ دراصل حقوق کے نام پر ان کی نسوانیت کا خون کیا جائے گا، جیسا مغرب میں ہوا ہے۔ پہلے انہیں خاندانی حصار سے نکالا جائے گا اور پھر شکار کرلیا جائے گا۔ نقصان صرف ان کی صنفی صفات کا نہیں ہوگا، بلکہ دین ومذہب بھی انہیں قربان کرنا ہوگا، کیونکہ مغرب کی آزادی کی تحریک صرف چادر اور چاردیواری سے نکلنے کی نہیں ہے، بلکہ پورے دین سے آزادی کی تحریک ہے۔ یہ بل خالص مغربی ہے، جسے من وعن یہاں نافذ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس بل کے بنیادی مفروضوں کی نشاندہی کے لیے ہمیں غواصی کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ سطح پر چلتے ہوئے بھی ہم اسے تلاش کرسکتے ہیں۔ بل کے اختتامیہ میں ہے کہ اس کی بنیاد ''CEDAW'' پر ہے جو ''Convention on the Elimination of All Forms of Discrimination Against Women'' کا مخفف ہے، جس کا مطلب ''خواتین کے خلاف تمام اشکال کے امتیازات کے خاتمے پر اجلاس'' ہے۔

''CEDAW'' کی بنیاد حقوقِ نسواں کی تحریک پر ہے اور حقوقِ نسواں کی بنیاد جاہلی تہذیب ہے۔ آگے جب اس بل کے اساسی مفروضوں اور فکری بنیادوں پر گفتگو ہوگی تو ''CEDAW'' کے مندرجات بھی زیرِ بحث آئیں گے۔

یہ بل ابھی مسودہ کی شکل میں ہے۔ پہلے یہ قومی اسمبلی سے منظور ہوا اور وہاں سے پاس ہونے

کے بعد سینیٹ میں پیش ہوا، سینیٹ نے اس میں کچھ ترامیم تجویز کیں، جس کے بعد یہ بل دوبارہ قومی اسمبلی لوٹ آیا ہے۔ اگر قومی اسمبلی سینیٹ کی ترامیم پر اتفاق کرلیتی ہے تو یہ بل قانون کی شکل اختیار کرلے گا اور دار الحکومت اور اس کی حدود میں نافذ ہوجائے گا۔

اگرچہ یہ بل ابھی منظوری کے مرحلے میں ہے، مگر اسے روکنے کی بساط بھر کوشش ابھی ہی کرنی چاہیے، کیونکہ وطنِ عزیز کی تاریخ بتاتی ہے کہ کوئی بل خواہ کتنا ہی شریعت یا ہماری روایات اور اقدار کے خلاف کیوں نہ ہو، مگر جب وہ قانون بن جاتا ہے سو بن جاتا ہے، پھر اس میں ترمیم یا اس کی تنسیخ بہت مشکل ہوجاتی ہے۔ اس کی واضح مثال ساٹھ کی دہائی میں منظور ہونے والا ''مسلم فیملی لاز آرڈیننس'' ہے۔ اس آرڈیننس کی کئی دفعات قرآن وسنت کی صریح نصوص سے متصادم ہیں، جس وقت یہ آرڈیننس نافذ ہوا، اس وقت لبرل اور سیکولر حلقوں نے تو اس پر خوشی کے شادیانے بجائے اور اپوا ''APWA'' جیسی تنظیموں نے مٹھائیاں تقسیم کیں، مگر دردمند اور خردمند پاکستانی مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ خیبر سے کراچی اور جہلم سے گوادر تک مسلمان سراپا احتجاج بن گئے۔ اس قانون کے خلاف نعرے بھی لگے، جلسے بھی ہوئے، جلوس بھی نکالے گئے، دین دار اہلِ قلم نے اخبارات میں کالم اور رسائل وجرائد میں مضامین سپردِ قلم کیے۔ اس وقت کے مشاہیر اہلِ علم میں سے بلا امتیازِ مسلک شاید ہی کوئی ایسا ہوگا جس نے اس قانون کی تردید میں کچھ لکھا نہ ہو، مگر اس احتجاج، مضامین اور کتابوں کا حکمراں طبقے پر نہ کچھ اثر ہونا تھا اور نہ ہی ہوا، کیونکہ انہیں خوشنودی کسی اور کی عزیز تھی اور تحفظ کسی اور کے مفادات کا مقصود تھا۔

۱۹۶۱ء کے بعد آج ساٹھ برس پورے ہونے کو ہیں، مگر وہ قانون اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود آج بھی نافذ ہے۔ بیرونِ ملک پاکستان کی شناخت اسی سے ہے، لاء کالجوں میں وہی پڑھایا جارہا ہے، وکلاء اسی کے تحت کیس دائر کرتے ہیں، جج اسی کی بنیاد پر مقدمات کو نمٹاتے ہیں اور انتظامیہ اسی قانون کی بنا پر کیے گئے فیصلوں کو نافذ کرتی ہے۔

تاریخ کے جھروکے میں اس پہلو سے جھانکنے کے بعد یہ سبق ملتا ہے کہ یہاں قانون کے نفاذ کے بعد سوائے احتجاج اور تنقید کے کوئی اور راستہ نہیں بچتا ہے، لیکن اس راستے سے اگر کوئی قانون ختم یا تبدیل ہوتا تو عائلی قوانین کی غیرشرعی شقوں کو بہت پہلے منسوخ یا تبدیل ہوجانا چاہیے تھا۔

تاریخ کو اس رخ سے نمایاں کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قانون بننے سے پہلے ہی علمی اور عوامی سطح پر اس کا خلافِ شرع ہونا ظاہر کیا جائے، ملک وملت کے لیے اس کے ضرررساں پہلوؤں کو نمایاں کیا جائے اور سب سے بڑھ کر سیاسی سطح پر اس کے خلاف مؤثر احتجاج کیا جائے، کیونکہ خلافِ شریعت قوانین

کے خلاف جائز ذرائع کو استعمال میں لاتے ہوئے احتجاج کرنا ہمارا دینی، آئینی اور سیاسی حق ہے، بلکہ حق کے ساتھ یہ ہمارا فریضہ بھی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے اسی کے مکلف ہیں اور منکر کے ازالے کے لیے یہی ہمارے مقدور میں ہے، ورنہ ہماری خاموشی پشت پناہی گردانی جائے گی۔

علمی اور عوامی سطح کا یہ احتجاج اپنے اندر بے پناہ فوائد رکھتا ہے۔ عائلی قوانین کے خلاف اکابر کی تحریروں اور تقریروں میں آج ہمارے لیے فکر و بصیرت کا بڑا سامان ہے۔ ان کے طرزِ عمل سے آج ہمیں رہنمائی ملی اور ہمارا طرزِ عمل اگلوں تک منتقل ہوگا۔ یہ قانون اگر پارلیمنٹ سے اسی شکل میں منظور ہوجائے، پھر بھی اس کے خلاف زبان کو بولنا، قلم کو لکھنا اور بدن کو حرکت میں رہنا چاہیے۔ اس طرح ان خلافِ شرع قوانین کا راستہ رک جائے گا یا کم از کم دشوار ضرور ہوجائے گا، جو ابھی منصوبے میں ہیں اور نفاذ کے لیے مناسب وقت کے انتظار میں ہیں۔ زیادہ پریشان کن یہ اندیشہ ہے کہ سلسلہ یہاں تک محدود نہیں رہے گا، بلکہ قوانین کا ایک طولانی سلسلہ ہے جو یکے بعد دیگرے خاموشی سے نافذ کردیئے جائیں گے۔ عائلی قوانین کے خلاف مزاحمت کا ثمرہ تھا کہ قانون ساز اس حد تک نہ جاسکے جس حد تک دیگر اسلامی ممالک گئے تھے اور ایک طویل عرصہ تک وہ پھر مسلم شخصی قوانین میں مزید قطع و برید سے باز رہے۔ **(جاری ہے)**

سانحۂ ارتحال

حضرت مولانا فیض الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا یاسین صابر رحمۃ اللہ علیہ

ادارہ علومِ اسلامی، بارہ کہو، اسلام آباد کے بانی و مہتمم حضرت مولانا فیض الرحمٰن عثمانی صاحبؒ ۱۵ / محرم الحرام ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۴ / اگست ۲۰۲۱ء بروز منگل کو وصال فرماگئے۔ اسی طرح بیک وقت تین جامعات: جامعہ خیر المدارس، جامعہ عمر بن خطاب اور جامعہ قاسم العلوم ملتان کے شیخ الحدیث حضرت مولانا یاسین صابر صاحبؒ ۱۶ / محرم الحرام ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۵ / اگست ۲۰۲۱ء بروز بدھ کو انتقال فرماگئے، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، اللّٰھم اغفر لھما وارحمھما وعافھما واعف عنھما ، وأکرم نزلھما ووسع مدخلھما ، واغسلھما بالماء والثلج والبرد و أدخلھما جنۃ الفردوس.

قارئینِ بینات سے دونوں حضرات کے لیے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔